

(حالات زندگی)

رتن ناتھ سرشار ۱۸۴۶ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ یہ کشمیری برہمن تھے۔ اور ان کا گھر لکھنؤ کے ایک ایسے محلے میں تھا۔ جہاں چاروں طرف مسلمان شرفاء رہتے تھے۔ لہذا انہیں مسلمانوں کے معاشرے کو قریب سے دیکھنے، ان کی بامحاورہ زبان سننے اور سیکھنے کا بہت موقع ملا۔ ان دونوں چیزوں سے انہوں نے اپنی تصانیف میں بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

سرشار نے بچپن میں عربی اور فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ کالج میں داخلہ لے کر انگریزی سیکھی۔ لیکن کوئی ڈگری حاصل نہ کر سکے۔ بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لیے تعلیم کو ادھورا چھوڑ کر ملازمت اختیار کر لی۔ شروع میں ایک اسکول میں مدرس مقرر ہوئے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ وہ اخباروں اور رسالوں میں مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔ ان مضامین کی وجہ سے انھیں بہت شہرت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ منشی نولکشور نے انھیں ”اودھ“ اخبار کا ایڈیٹر بنا دیا۔ اس اخبار میں سرشار نے لکھنؤی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سلسلے کو عوام نے بہت پسند کیا اور بالآخر انہوں نے مضامین کو ایک قصے کی شکل دے کر کتابی صورت میں چھاپ دیا۔ یہ کتاب ”فسانہ آزاد“ کے نام سے چار موٹی موٹی جلدوں میں چھپی اور پڑھنے والوں میں بے حد مقبول ہوئی۔ اس کتاب میں یوں تو بہت سے کردار ہیں لیکن دو کردار خاص ہیں۔ ایک آزاد اور دوسرے خوجی۔ آزاد قصے کا ہیرو ہے اور خوجی اس کے وفادار دوست ہیں۔ ہر مشکل میں اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ لیکن ان کی حرکتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جب وہ سامنے آتے ہیں تو لوگ ان کی حرکتیں دیکھ کر ہنسی ضبط نہیں کر سکتے۔ اس کتاب کی زبان لکھنؤ کی مقامی زبان ہے جو سلیس اور بامحاورہ ہے اور ڈیڑھ سو سال بعد بھی آج استعمال ہونے والی زبان معلوم ہوتی ہے اور قارئین بڑے شوق سے اس قصے کو پڑھتے ہیں۔

اس کے علاوہ سرشار نے کئی کتابیں لکھیں۔ سیر کہسار، جام سرشار، کانتی، پی کہاں اور کڑم دہم وغیرہ لیکن ان سب میں زیادہ دلچسپ ”فسانہ آزاد“ ہے۔ سرشار نے ۱۹۰۲ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔

تباہی، تباہی، تباہی

(رتن ناتھ سرشار)

مختصر ناول

- طلبہ کو اردو ادب میں ناول نگاری کی روایت سے واقفیت دلانا۔
- اردو کلاسیکل ادب میں ”فسانہ آزاد“ کی اہمیت بتانا۔
- رتن ناتھ سرشار کے اسلوب سے متعارف کروانا۔
- ناول نگاری میں رتن ناتھ سرشار کا مقام بتانا۔

پینک

بلغ

عروس

ٹاپو

خفگان تہہ خاک

لائف بوٹس

ٹی پٹی

غرقاب

ریق القلب

نانہجار

الغناء والہ نثر الہیہ

ناول کا پس منظر

”فسانہ آزاد“ کا شمار اردو ادب کے شاہکار فن پاروں میں ہوتا ہے۔ اس کی کہانی جنگ روم (ترکیہ) و روس کے ارد گرد گھومتی ہے۔ یہ جنگ روس اور روم (ترکی) کے مابین ۱۸۷۷ء میں واقع ہوئی تھی۔ اُس زمانے میں ترکی اندرونی خلفشار کا شکار تھا جس کی وجہ سے عثمان پاشا کو ان سے کوئی خاص مدد نہیں مل سکی۔ مگر وہ مسلسل لڑتے رہے۔ اس جنگ میں عثمان پاشا خود لڑتے لڑتے گرفتار ہوئے۔ زار روس ان کی بہادری اور شجاعت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ لہذا انھیں ذاتی مہمان بنایا اور بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا۔ زار کے اس حسن سلوک کے باوجود اس کی حب الوطنی اور خودداری برقرار رہی۔ زار روس کے دربار میں شاہ رومانیہ بھی موجود تھا۔ رومانیہ ترکی کا باج گزار تھا لیکن اس جنگ کی بدولت انھوں نے اپنی آزادی کا اعلان کیا تھا اور روسی افواج کی ہر طرح مدد کی تھی۔ لہذا جب شاہ رومانیہ نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو عثمان پاشا نے انھیں ایک باغی کہہ کر ہاتھ ملانے سے انکار کیا۔ کچھ عرصے کے بعد انھیں باعزت رہائی ملی۔ لہذا وہ واپس اپنے وطن آئے جہاں انھیں غازی کے لقب سے نوازا گیا۔

ایک روز جہاز کے ناخدانے سب کو پھر اطلاع دی کہ ایک گھنٹے میں بڑی سخت آندھی آنے والی ہے۔ مستعد ہو رہو۔ خبر وحشت اثر سنتے ہی سب کے ہوش و حواس غائب ہو گئے۔ جہاز کے ناخدانے آلہ بیرومیٹر کے ذریعے سے جہاز والوں کو بصد حزن و ملال آگاہ کر دیا کہ بہت جلد طوفانِ عظیم آنے والا ہے۔ اس ناگہانی کے دفعیہ کا انسان ضعیف البیان میں یارا نہیں۔ مشیت ایزدی میں چارا نہیں۔

میاں آزاد کا جہاز جس کا پیارا نام جنی ڈینس تھا۔ معشوقانِ طناز کی طرح اٹھکھیلیاں کرتا جاتا تھا۔ ناخدانے پھر اطلاع دی کہ طوفان آیا چاہتا ہے۔ بیرومیٹر سے طوفانِ عظیم کی آمد آمد صاف ظاہر ہے۔ لوگو! خبردار ہوشیار طرفۃ العین میں

مصیبت سے دوچار ہونا ہے۔ زندگی سے ہاتھ دھونا ہے۔ بدن کے روٹنے کھڑے ہو گئے۔ جان کے لالے پڑے۔ حیرت تھی کہ یا الہی جانیں تو کہاں جائیں؟ اس بحرِ ناپیدا کنار اور طوفانِ حسرت بار سے نجات کیوں کر پائیں۔ دل بے قرار، بے تاب تھا، زہرہ آب آب تھا۔ دیکھا کہ کپتان کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اس کے لیفٹیننٹ بھی سب سٹی پٹی بھول گئے۔ سیڑھیوں سے تختے پر آتے تھے اور گھبرا کر پھر اوپر چڑھ جاتے تھے اس سبب سے آتشِ غم اور بھی تیز ہوئی۔

اتنے میں ہوانے وہ زور باندھا کہ الامان، الامان۔ ناخدا نے صرف ایک مین سیل تو بدستور رہنے دیا، باقی اور سب اتار لیے۔ اب جہاز اللہ کی راہ پر چھوڑ دیا گیا۔ موجوں کی یہ کیفیت کہ آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ جہاز تھپڑے کھا کر گیند کی طرح اُدھر سے اُدھر آتا تھا اور اُدھر سے اُدھر جاتا تھا۔ سمندر اس درجہ جوش و خروش پر تھا کہ الخذر الخذر۔ جہاز والے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے جان و مال کو رو بیٹھے۔ سمندر کی ڈراؤنی صورت دیکھ کر بدن کانپ اٹھتا تھا۔ مرد و زن یا علی مدد یا خدا بچاؤ کا غل مچاتے تھے۔ بچے سہم کر اپنی ماؤں سے چمٹے جاتے تھے۔ کوئی عورت منہ ڈھانپ کے روتی تھی کہ ہائے عمر بھر کی کمائی اس سمندر میں گنوائی۔ کوئی اپنے پیارے معصوم بچے کو چھاتی سے لگا کر کہتی تھی کہ اماں کا کلیجہ پھٹا جاتا ہے بیٹا ہم تم سے اور تم ہم سے رخصت ہوتے ہو۔ وہ نادان مسکراتا تھا اور اس بھولے پن سے اپنی مادرِ مہربان کے دل پر بجلیاں گراتا تھا۔

اب سینے کہ جہاز بھر میں تو کہرام مچا تھا مگر خوجی اینٹی لمبی تانے سو رہے تھے۔ اس نیند پر اللہ کی مار۔ اس پینک پر شیطان کی پھنکار۔ میاں آزاد نے جگایا کہ خواجہ صاحب اُٹھیے طوفان آیا ہے۔ حضرت نے لیٹے ہی لیٹے بجنہنا کر فرمایا کہ چپ گیدی، ہم نے خواب میں بہر و پیا پکڑ پایا ہے۔ تب تو میاں آزاد جھلائے اور کس کر ایک لات لگائی۔ خوجی کلبلایا کر اُٹھ بیٹھے تو تلاطم کا عالم دیکھا۔ ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ سمندر کی بھیانک صورت دیکھی تو کانپ اُٹھے۔ دیکھا ہر زن و مرد مبتلائے بلا ہے، ہر سمت آہ و بکا ہے۔ پانی بلیوں اُچھلتا ہے، مفر کی کوئی صورت نہیں۔

ناخدا خوب سمجھتا تھا کہ حالت ہر گھڑی نازک ہوتی جاتی ہے۔ طوفان ہے کہ اُمنڈ چلا آتا ہے۔ موج کے تھپڑے اس قدر بلند ہوتے تھے کہ کلیجہ بانسوں اُچھلتا تھا۔ لیکن آزمودہ کار تھا اس کی پھرتی اور استقلال سے لوگوں کو کچھ یونہی سی تشفی ہوئی تھی کہ شاید جان بچ نکلے۔ اپنے اپنے مذہب اور عقیدے کے بموجب اہل جہاز باری تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔

اب سینے کہ جس مقام پر جہاز غرق ہونا تھا اُس کے سامنے ایک چھوٹا اور پُر فضا ٹاپو تھا۔ جزیرہ پیرم۔ یہ جزیرہ ساحلِ یمن سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ طول ساڑھے چار میل عرض دو میل۔ سطح بحر سے ۲۳۰ فٹ بلند۔ اس کے گوشہ

جنوب و مغرب میں ایک نہایت دلکش بندرگاہ ہے۔ دو چار آدمیوں نے اس جزیرہ کو بصد حسرت دیکھ کر کہا کہ ہائے اللہ جانے یہ کون سا ناپو ہے؟ آزاد خوب واقف تھے کہ یہ جزیرہ پیرم ہے۔ انھوں نے کئی یورپین سیاحوں سے کہا تھا کہ اگر اس جزیرے میں کوئلے کا بندوبست ہو تو خوب بات ہے مگر اکثروں نے جواب دیا کہ جزیرہ مذکورہ میں پانی کی عنقائیت ہے۔ یہ جزیرہ جہاز والوں کو ترساتا تھا اور سب کے سب دست بہ دعا تھے کہ یا الہی کسی طرح اس ناپو تک جہاز مع الخیر پہنچ جائے۔ تیری بندہ نوازی کے صدقے ہمیں جزیرہ تک پہنچا دے۔

اتنے میں ناخدا نے حکم دیا کہ All Hands Ahoy

اس جگر خراش فقرے سے جہاز میں کہرام مچ گیا۔ صدائے ماتم ہر گوشہ سے بلند ہوئی۔ جہاز کے مسافروں کی پریشانی اور مایوسی دو چند ہوئی۔ پاؤں خواب آلود ہوئے۔ جسم شعلے کی طرح تھرانے لگا۔

ناخدا نے پھر پکار کر کہا All Hands Ahoy۔

یعنی جتنے آدمی جہاز میں ہیں سب معاشرے پر آجائیں۔ اہل جہاز نے شور الامان بلند کیا تو یہی معلوم ہوا کہ ادھر حامان عرش اور ثور فلک اور ادھر خفگان تہ خاک اور گاؤ زمین کانپ اٹھے۔ ہر فرد بشر کے چہرے پر بے کسی برستی تھی۔ آزاد فرخ نہاد تو ایک جری اور دلیر آدمی تھے کوششِ بلیغ کی کہ بنی نوع انسان کی جان بچائیں۔ کپتان اور اس کے اسٹنٹ اور اہل جہاز سب آزاد کے عاشق تھے۔ ایک قسم کی دلی محبت ہو گئی تھی۔ آزاد نے سعی مشکور کی کہ اہل جہاز ڈوبنے سے بچ جائیں۔ مگر یہ خیال محال تھا۔ کپتان نے اس وقت بڑی مایوسی سے کہا کہ کیا اس وقت یہاں کوئی آدمی ایسا نہیں جو میرے اسٹنٹوں کو مدد دے اور بندگانِ خدا کی جان بچائے۔ میں توجی کڑا کر کے جان بچانے میں کوششِ موفور کر رہا ہوں۔ ”السعی“ مینی ”وَالْإِتْمَامُ مِنَ اللَّهِ تَعَالٰی“۔

پھر کپتان نے غل مچا کر کہا Lower The Life Boats

واضح ہو کہ ہر جہاز کے ساتھ چند لائف بوٹ ہوتی ہیں، رسیوں اور زنجیروں سے جکڑی ہوئی۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ لائف بوٹ سے مدد لی جائے۔ لائف بوٹ جہاز کے غرقاب ہونے کے وقت کام آتی ہیں۔ ناخدا نے کہا کہ لائف بوٹ جو اس جہاز کے ساتھ ہیں ان کو نیچا کرو۔ آزاد نے اس میں بڑی مدد دی۔

اب جہاز ڈوبنے ہی کو تھا۔ دس فٹ سے زیادہ پانی جہاز کے ہولڈ میں آ گیا تھا۔ آزاد نے کپتان سے کہا کہ پانی کو پمپ کے ذریعے سے نکالو ورنہ غضب ہی ہو جائے گا۔ کپتان نے کہا کہ پمپ کے ذریعے سے پانی نکالنا بیکار ہے۔

☆ ترجمہ: کوششِ میری جانب سے اور پورا کرنا اللہ کے ذمے۔

آزاد: کیوں؟

کپتان: پہلے تو آندھی کا ذرا بھی گمان نہ تھا۔ دفعۃً طوفان جو آیا تو امواج بحر پہاڑ کی بلند چوٹی کے برابر اونچی ہونے لگیں۔ جوشے تنختے پر تھی سب کو بہا لے گئیں۔

آزاد نے کپتان کی بڑی تعریف کی اور لائف بوٹ کو نیچا کیا۔ اس وقت آزاد کی پھرتی اور ہمدردی اور سچی شجاعت کے اہل جہاز تہہ دل سے مداح تھے اور ویشیا اس جری نو جوان کو حسرت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ آزاد نے بہت سے لڑکوں اور عورتوں کو لائف بوٹ میں جگہ دی۔ اس کام میں جو اس کی سچی ہمدردی اور بسالت پر دال تھا اس کی جان خود معرض خطر میں تھی مگر آزاد کی ہمت اور شجاعت اعلیٰ درجہ کی تھی۔

آزاد اس وقت عورتوں اور بچوں کو مدد دے رہے تھے کہ وہ جہاز سے لائف بوٹ میں کود آویں۔ انھوں نے کسی کی نہ سنی۔ پھر ویشیا نے بصد حسرت ان کو باواز بلند پکارا۔

آزاد اور سب کو چھوڑ کر ویشیا کی طرف آئے اور ان کو اٹھا کر لائف بوٹ کی طرف لے گئے۔ ویشیا نے کہا کہ پیارے آزاد میری جان سے زیادہ پیارے اپیلٹن کو تو لاؤ۔ اتنے میں اپیلٹن بھی آیا۔ ویشیا اور اپیلٹن دونوں لائف بوٹ میں کودے اور آزاد نے فرط طرب سے تین بار کہا:

Hip, Hip Hurrah

دوسرے لائف بوٹ میں بھی آزاد کی کوشش موثر سے کئی آدمی کودے۔ جہاز کے کپتان نے جہاز کو اس وقت چھوڑا جب تین بار چکر کھا کر وہ غرقاب ہونے کو تھا۔ ناخدا لائف بوٹ میں کودا تو میاں آزاد نے باواز بلند کہا:

Save the compass anble you to steer for the land

یعنی کمپاس اپنے ساتھ لیتے آؤ تاکہ اس کے ذریعے سے لائف بوٹ خشکی کی طرف جاسکیں۔ ناخدا نے کمپاس لیا۔ جزیرہ پیرم سامنے نظر آتا تھا مگر فرط یاس سے کسی کو اُمید نہ تھی کہ وہاں تک پہنچ سکیں گے۔

پیرم کے باشندے بمقتضائے ہمدردی انسانی نہایت حسرت اور غایت ملال کے ساتھ دیکھتے تھے کہ ایک جہاز ڈوب رہا ہے۔ ان لوگوں نے جزیرے کے ساحل پر خوب تیز روشنی کی اور کئی من تیل برابر ڈالتے گئے تاکہ شعلے بلند ہوں اور اہل جہاز نے اگر یاس و غم اور پریشانی کے سبب سے اس جزیرے کو نہ دیکھا ہو تو روشنی سے سمجھ جائیں کہ زمین ہے۔ تین مختلف مقامات پر آگ جلائی گئی۔ صدا با آدمی اس واقعہ ہو شربا کے دیکھنے کے لیے اپنے اپنے مکان چھوڑ کر ساحل بحر پر آن کھڑے ہوئے تھے اور غل مچا رہے تھے۔ اکثر رقیق القلب آدمی پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے اور تہہ دل سے

آرزو مند تھے کہ جہاز ڈوبنے سے بچ جائے مگر بعض ذات شریف اس مصیبت کو دیکھ کر کھلے جاتے تھے کہ سویرے منہ اندھیرے گھرے ہیں خوب رقمیں چریں گے، یہ شقی القلب بدکردار، ناہنجار مارے خوشی کے تالیاں بجاتے تھے۔ جاے میں پھولے نہیں سماتے تھے اور ہم خوش خوش گیس اڑاتے تھے۔

ایک لہرائی۔ جہاز تہ و بالا ہونے لگا۔ وہ گئی تو دوسری آئی۔ ہنوز جہاز سنبھلنے نہ پایا تھا کہ تیسری موج کے تپیزوں نے آفت ڈھائی۔ میاں آزاد بکمال شجاعت و استقلال پھر جہاز پر کودنے ہی کو تھے کہ ناخدا نے میاں خوجی کو بھی ان کے لائف بوٹ میں بہرا خرابی پہنچایا۔ آتے ہی انھوں نے غل مچایا کہ ارے یارو، ایم کی ڈیا تو وہیں رہ گئی۔ میاں کوئی بندہ خدا ذرا لپک کے ہماری ڈیالے آئے۔ آزاد کو جو پایا تو چمٹ گئے۔ بھائی آزاد جب اتنا بڑا جہاز نہ بچ سکا تو یہ ننھی ننھی کشتیاں بھلا کیوں کر بچیں گی۔ آزاد نے کہا، اللہ مالک۔ جب زور سے آندھی آتی ہے تو تناور درخت بھی پھٹ پڑتے ہیں کبھی کسی نے یہ نہ دیکھا ہوگا کہ آندھی چلنے سے گھاس ٹوٹ گئی۔

آزاد جزیرہ پیرم کے ساحل پر آئے اور آتے ہی مارے تھکاوٹ کے گر پڑے۔ کپتان اسمتھ اور اہیلٹن نے آزاد کی پیٹھ ٹھوکی۔

ویشیا نے اصدادائے دلربا میاں آزاد کا شکریہ ادا کیا اور کہا تمام عمر تمہاری مشکور ہوگی کہ تم نے میرے شوہر کی جان بچائی۔

اہیلٹن نے آزاد سے کہا کہ اب اس وقت مجھ سے اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ صرف اس قدر کہتا ہوں کہ ضرورت کے وقت جان جو حکم کے وقت مجھ کو ضرور یاد کرنا۔ اہیلٹن کو اب اپنا درم ناخریدہ غلام سمجھو۔

ویشیا: آزاد جیسے بہن کو اپنے بھائی کی محبت ہوتی ہے ویسی ہی مجھ کو تمہاری محبت ہے۔

آزاد: اب اس وقت کوئی اس قدر تشفی کر دے کہ میں تم کو اور تمہارے پیارے شوہر کو پھر بھی دیکھوں گا، تو میں جی اٹھوں گا۔

(فسانہ آزاد)



۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف) جہاز میں سوار لوگوں کے ہوش و حواس کیوں اڑ گئے؟

ب) دوران طوفان ناخدا نے کیا تدابیر اختیار کیں؟

(ج) طوفان کا خوجی پر کیوں کوئی اثر نہیں ہوا؟

(د) جہاز کا عملہ اور مسافر آزاد سے کیوں محبت کرتے تھے؟

(و) جہاز کا انجام کیا ہوا؟

(ز) ویشیا آزاد کو کیوں حسرت کی نظر سے دیکھتی تھی؟

متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں۔

(الف) جزیرہ پیرم ساحل یمن سے فاصلے پر تھا۔

(i) تین میل (ii) چار میل (iii) پانچ میل (iv) چھ میل

(ب) خوجی ایک انسان تھا:

(i) لاپروا (ii) بہادر (iii) ذمہ دار (iv) بزدل

(ج) طوفان کے اعلان کے ساتھ ہی لوگ ہو گئے:

(i) چونکا (ii) پریشان (iii) بے فکر (iv) مطمئن

(د) اس کہانی کا ہیرو تھا:

(i) خوجی (ii) اہیلٹن (iii) اسمتھ (iv) آزاد

(و) اہیلٹن اور ویشیا کا تعلق تھا:

(i) میاں بیوی کا (ii) بھائی بہن کا

(iii) والد بیٹی کا (iv) خالہ زاد بہن بھائی کا

۳۔ متن کے مطابق درست کی نشان دہی علامت (✓) سے اور غلط کی علامت (x) سے کریں۔

(الف) جہاز کا کپتان بہت بہادر آدمی تھا۔

(ب) دوران طوفان خوجی جاگ رہا تھا۔

(ج) لائف بوٹ جہاز کے غرقاب ہونے کے وقت کام آتی ہیں۔

(د) ویشیا نے اپنے شوہر کی جان بچانے پر آزاد کا شکریہ ادا کیا۔

(و) کپتان اسمتھ آزاد سے حسد کرتا تھا۔

۴۔ متن کے مطابق خالی جگہ درست لفظ سے پُر کریں۔

(الف) آزاد ایک آدمی تھا۔ (لاپروا - بزدل - دلیر)

- (ب) جہاز..... کی مدد سے فضائی کی طرف جاتا تھا۔ (کپاس - ہیرو میٹر - دوربین)
- (ن) فسانہ آزاد کے مصنف کا نام..... ہے۔ (کرشن چندر - رتن ناتھ سرشار - پریم چند)
- (د) فسانہ آزاد مصنف ادب کے لحاظ سے..... ہے۔ (ڈرامہ - افسانہ - ناول)

۵۔ ملوثان کے اعلان کے ساتھ جہاز میں سوار مسافروں کی حالت اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

۶۔ فسانہ آزاد کے منتخب میں شامل اقتباس کا خلاصہ تحریر کریں۔

۷۔ آزادی کی شخصیت پر مختصر نوٹ لکھیں۔

۸۔ ناول میں شرجی کے کردار پر نوٹ لکھیں۔

۹۔ اگر آپ جہاز میں سوار ہوتے تو کیا محسوس کرتے؟

۱۰۔ سباق و سباق کے حوالے سے متن کی تشریح کریں۔

حیرم کے باشندے ہمتھائے ہمدردی..... خوش گیس اڑاتے تھے۔

تحریر کریں

- ۱۔ اساتذہ کرام طلبہ سے مختلف معاشرتی مسائل پر مشتمل مضامین لکھنے کی مشق کروائیں۔
- ۲۔ اساتذہ کرام طلبہ کو کوئی کہانی / مقالہ سنا کر اس کی جزئیات کو ترتیب سے باری باری سنیں۔
- ۳۔ رتن ناتھ سرشار کے ناول "فسانہ آزاد" سے کوئی اور اقتباس سنیں۔

انکسار سے پڑھیں

- ۱۔ اساتذہ کرام طلبہ کو اردو کلاسیک نثر میں "فسانہ آزاد" کی اہمیت پر تفصیلی پیکچروں۔
- ۲۔ طلبہ کو اردو کلاسیکل نثر کی اہمیت بتائیں۔
- ۳۔ رتن ناتھ سرشار کے طرز تحریر کی خوبیاں بتائیں۔